علامہ اقبال کی حجاز مقدس کے لئے تڑپ

حکیم راحت نسیم سوہدروی

علامہ اقبال عالم اسلام کی عظیم شخصیت تھے جنہوں نے ملتِ اسلامیہ کو بیدار کرنے کی بھرپور سعی کی تا کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہو سکے۔ آپ سچے و پکے مسلمان اور سب سے بڑھ کر پکے موحد تھے۔ آپ کی رسول اکرم ﷺ سے والہانہ عقیدت و محبت مسلّمہ تھی۔ آپ خدا کو تسلیم کرنے کی بڑی دلیل ہی یہ قرار دیتے کہ رسول اکرم ﷺ نے خدا کے حی و قیوم ہونے کی تصدیق فرمائی۔

علامہ اقبال کی رسول اکرم ﷺ سے وابستگی کی کئی نسبتیں ہیں جن کا اظہار ان کی شاعری اور نثر میں جا بجا ملتا ہے۔ علامہ اقبال نے باقاعدہ نعتیہ شاعری نہیں کی ہے تاہم جب بھی مدحتِ رسولؐ میں قلم اٹھایا تو اس میں خاص قسم کا رنگِ جذب و مستی پایا جاتا۔ ایک شعر میں رسول اکرم ﷺ کی ہمہ گیریت اس طرح بیان کی ہے۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب!

علامہ اقبال کے نزدیک عقیدتِ رسول اکرم ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی اسوۂ حسنہ کے مطابق گزارے اور رسول اکرم ﷺ جس مقصد کے لئے مبعوث ہوئے اس کی تکمیل میں زندگی وقف کر دے۔ علامہ اقبال کو رسول اکرم ﷺ سے عقیدت و عشق کی بنا پر ہی حجاز مقدس سے بے انتہا ارادت رہی۔ فرماتے ہیں۔

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری!
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری!

چنانچہ ان کی زندگی کی بڑی تڑپ اور خواہش حجاز مقدس کا دیدار رہی تا کہ مکہ و مدینہ کی زیارت اپنی آنکھوں سے کریں۔ عمر کے آخری حصے میں تو اس خواہش نے حسرت کی

صورت اختیار کر لی۔ ارمغانِ حجاز میں کئی رباعیات اس کی غماز ہیں۔

ایک بار حجازِ مقدس کے سفر کا پروگرام بنایا۔ اس حوالے سے مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''تقریباً علامہ سے ہر ملاقات میں ایک وقت پر حجاز کا ذکر چھڑتا تھا۔ آپ ان دنوں محض حجاز کا نہیں عالمِ اسلام کی سیاحت کا بھی عزم رکھتے تھے اور اپنے ہمراہ چوہدری محمد حسین اور مجھے (غلام رسول مہر) لے جانا چاہتے تھے۔ غزنی، کابل، سمرقند، بخارا، بلخ، شیراز، اصفہان، بغداد، کربلا، انگورہ، قسطنطنیہ، قاہرہ، فلسطین، مکّہ اور مدینہ کی خاص زیارت کے خواہاں تھے''۔

مولانا غلام رسول مہر کے مطابق اس دوران وہ اس سفر کے اخراجات اور دوسرے مسائل پر بھی تبادلہ خیال کرتے۔ ایک بار کہا کہ وہ جملہ امور پر غور و فکر کر کے بتائیں کہ کس طرح سفر باسہولت گزرے گا مگر کسی سبب سفر کا ارادہ ملتوی ہو گیا۔ مدینہ اور تاجدارِ مدینہ سے ان کی عقیدت کا ثبوت وہ خط ہے جو انگلستان جاتے ہوئے ۱۹۰۵ء میں مولوی انشاء اللہ خان کو لکھا ہے۔ اس خط کا آخری حصہ اقبال کی حجازِ مقدس سے والہانہ عقیدت سے مزین ہے، لکھتے ہیں:

''اب ساحل قریب آتا جاتا ہے، چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں؟ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں''۔

پھر جذبات سے بھرپور وارفتگی میں لکھتے ہیں:

''اے عرب کی مقدس سرزمین! تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا فسوں پڑھ دیا کہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس بھیجا کہ پھل کا حصہ لے آؤ لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کر نکال باہر کیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پرواہ نہ کی۔ آہ! اے پاک سرزمین! تو وہ جگہ ہے جہاں مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ

مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرایا جائے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش دیکھے اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور مسلمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکار جسم کی خاک تیری ریت کے ذرّوں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش! میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذانِ بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی''۔

۱۹۳۰ء کے بعد علامہ کی طبیعت اکثر خراب رہنے لگی۔ وکالت کا کام چھوڑ دیا اور علاج معالجہ کی جانب توجہ ہوگئی۔ اس طرح غمِ دوراں اور غمِ جاناں مل کر دامن گیر ہو گئے مگر اس حالت میں حجازِ مقدس کی خواہش بڑھتی گئی۔ جب حجازِ مقدس کا تذکرہ ہوتا تو حالت غیر ہو جاتی اور رسول اکرم ﷺ کا اسمِ مبارک آتے ہی آبدیدہ ہو جاتے' طبیعت مشکل سے بحال ہوتی۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ کا اسم شریف زبان پر آتے ہی رنگ سرخ ہو جاتا اور آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ مدحتِ رسولؐ کے جتنے بھی اشعار ہیں کوئی ایسا نہ ہوگا جسے آپ نے سنایا ہو اور اشک بار نہ ہوئے ہوں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا خوشی خوشی شعر سنانے لگتے' درمیان میں کوئی نعتیہ شعر آ جاتا تو رقت اور دل گرفتگی کا عالم طاری ہو جاتا' یہاں تک کہ باقی شعر ناشنیدہ ہی رہ جاتے''۔

سر اکبر حیدری کے نام ایک خط میں علامہ رقم طراز ہیں:

''تنہا خواہش جو میرے دل میں خلش کرتی ہے یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو تو حج کے لئے مکہ جاؤں اور وہاں سے اُس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذاتِ الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لئے وجہ تسکین اور سرچشمۂ الہام رہا ہے۔ میری جذباتی زندگی کا سانچہ کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ انفرادی شعور کی ابدیت پر مضبوط یقین رکھے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ رہنا میرے لئے ممکن نہ ہو سکا۔ یہ یقین مجھے پیغمبر اسلام کی زندگی سے حاصل ہوا ہے۔ میرا ہر بن مو آپؐ

کی احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے اور میری روح ایک بھرپور اظہار
کی طالب ہے جو صرف آپؐ کے مزارِ مقدس پر ہی ممکن ہے۔ اگر خدا نے مجھے
توفیق بخشی تو میرا حج ایک اظہارِ تشکر ہوگا''۔

۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تو راستہ میں سکندریہ (مصر) رکے' جہاں مصر کے دیگر علماء و شخصیات کے ساتھ سید محمد قاضی ابوالعزام نے استقبال کیا اور پھر شام کو اپنے صاحب زادوں کے ساتھ علامہ کی قیام گاہ ہوٹل ملنے آئے۔ علامہ نے کہا: میں خود زیارت کے لئے حاضر ہو جاتا' آپ کیوں تشریف لائے؟ قاضی ابوالعزام نے کہا کہ خواجۂ دو جہاںؐ کا ارشاد ہے: جس نے دین سے تمسک کیا اس کی زیارت کو جاؤ گے تو مجھے خوشی ہوگی' لہٰذا ارشادِ نبویؐ کے مطابق چلا آیا ہوں کہ میرے آقاؐ خوش ہوں۔ علامہ نے سنا تو بے تاب ہو گئے اور انہیں ایک چپ سی لگ گئی۔ سید قاضی ابوالعزام نصیحتیں کرتے رہے اور علامہ سنتے رہے۔ جب وہ واپس ہوئے تو علامہ دیر تک روئے اور فرمایا: ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ لوگ مجھ ایسے گنہگار کو متمسک بالدین جان کر خواجۂ دو جہاںؐ کے ارشاد کی اتباع میں حضور ﷺ کی خوشنودی کے لئے ملنے آتے ہیں۔ اتنا کہہ کر پھر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

اس سفر لندن سے واپسی پر موتمر عالمِ اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بیت المقدس گئے۔ واپس تشریف لائے تو کسی نے سوال کیا کہ جناب فلسطین سے زیارتِ حرمین کے لئے جانا کیونکر مشکل تھا؟ جواب میں علامہ نے فرمایا: ''مدینہ کی زیارت کو جانا ایک قلبی معاملہ ہے۔ میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہوا کہ دنیاوی کام کے لئے آنا اور حرمِ نبویؐ کی دید کی جرأت کرنا سوءِ ادب ہے۔ پھر کچھ مقامی دوستوں سے وعدہ تھا جب بھی ایسا ہوگا آپ کے ساتھ ہوگا۔ ان دونوں خیالوں نے مجھے روکے رکھے ورنہ کوئی امر مانع نہ تھا۔ یا یوں کہہ لیں کہ ضمناً دربارِ رسولؐ میں حاضر ہونا معیوب محسوس ہوتا تھا''۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ عشقِ مصطفٰی ﷺ میں کس مقام پر تھے۔ ان کی والہانہ محبت اور عقیدت انہیں مکہ و مدینہ کی زیارت پر مجبور کرتی رہتی۔ ایک جگہ خود

فرماتے ہیں ؎

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تر است
آں خنک شہرے کہ آنجا دلبراست!

اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں کہ:

''دسمبر ۳۷ء میں میری علامہ سے ملاقات ہوئی' ان دنوں وہ اپنا اردو و فارسی کلام ترتیب دے رہے تھے۔ میں نے پوچھا: موجودہ کتاب (ارمغانِ حجاز) کب تک مکمل ہوگی؟ فرماتے ہیں: اگلے سال مدینہ پہنچ کر۔ جنوری ۳۸ء میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو تذکرۂ حج ہوا۔ فرمایا: میں دو سال سے ارادۂ حج کی حالت میں ہوں' عملاً موقع جب خدا مرحمت کرے' بلکہ میں نے تو وہ اشعار بھی لکھ لئے ہیں جو اس سفر کے لئے ہیں''۔

سید نذیر نیازی علامہ کے قریبی ساتھی تھے۔ وہ اپنی یادداشت ۱۰ر جنوری ۳۸ء میں رقم طراز ہیں:

''سفر حج کا ذکر آیا تو علامہ نے فرمایا: ایک طرح سے میں حج کے راستے میں ہوں' چاہتا ہوں کہ یہ راستہ جلد طے ہو۔ پھر دم لے کر فرماتے ہیں کہ راستہ طے ہوسکتا ہے مگر مجھے اپنے اوپر قابو نہیں رہتا۔ اب جو کچھ کہتا ہوں وہیں کے لئے کہتا ہوں۔ پھر علامہ رک گئے اور فرمایا: ''آشیانۂ قدس پر پہنچ کر کچھ عرض کروں گا''۔

وفات سے دس ماہ قبل مخدوم الملک سید میراں شاہ نے قصدِ حج کیا اور علامہ اقبال کو ہمراہ چلنے کی دعوت دی' جس پر جواب میں لکھا:

''حج بیت اللہ کی آرزو تو دو تین سال سے ہے' خدا ہر پہلو سے رحمت فرمائے تو یہ آرزو پوری ہو اور اگر آپ رفیق راہ ہوں تو مزید برکت کا باعث ہے۔ آپ ایسے باہمت کے لئے یہ سفر قطعاً مشکل نہیں ہے۔ ہمت تو میری بھی بلند ہے مگر بدن ذرا عاجز اور ناتواں ہے۔ کیا عجب خدا توفیقِ ارزانی فرمائے اور آپ کی معیت میں سفر مرحمت فرمائے''۔

پھر جب علم ہوا کہ سید میراں شاہ حج کے لئے تیار ہیں تو دوسرے خط میں علامہ لکھتے ہیں:

''میں تو اس قابل نہیں ہوں کہ روضۂ رسولؐ پر یاد بھی کیا جا سکوں تاہم حضور ﷺ کے اس ارشاد سے جرأت ہوئی ہے "الطالح لی" یعنی گنہگار میرے لئے ہیں ۔اُمید ہے کہ آپ اس دربار میں پہنچ کر مجھے فراموش نہیں کریں گے''۔

اہلیہ کے انتقال کے بعد بچوں کی پرورش کی ذمہ داری بھی آن پڑی ۔دوسری طرف آنکھ کی بینائی متاثر ہوئی اور معالجین نے آپریشن کا مشورہ دیا۔صحت بھی گر رہی تھی مگر سفرِ حجاز مقدس کی آرزو اب حسرت بن گئی تھی۔مختلف جہاز راں کمپنیوں سے رابطہ کرتے رہے۔ایک روز گھر میں ذکرِ حج ہوا تو بہن نے کہا کہ آپ کی آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے ایسی صورت میں حج کا سفر کیسے ہوگا' آپریشن کے بعد جانا۔آپ نے بڑے رقت آمیز لہجہ میں فرمایا: آخر اندھے بھی حج کر آتے ہیں۔

سید ابوالحسن علی ندوی علامہ اقبال کے عشقِ سفرِ حجاز بارے لکھتے ہیں کہ:

''زندگی کے آخری ایّام میں پیمانۂ صبر اس طرح لبریز ہوا کہ مدینہ کا نام آتے ہی اشکِ محبت چھلک پڑتے ۔وہ اپنے کمزور جسم کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر تو نہ ہو سکے لیکن اپنے مشتاق اور بے قرار دِل نیز اپنی قوتِ تخیل اور زورِ کلام کے بل پر آپ نے حجاز کی وجد آور فضاؤں میں بار بار پرواز کی اور آخری وقت تک آپ کا ''طائرِ فکر'' اس نشیمن اور آستانے پر منڈلاتا رہا''۔

علامہ اقبال کی سفرِ حجاز کے لئے خواہش ہی نہیں بلکہ حسرت رہی جو حضور ﷺ سے دلی وابستگی کا مظہر تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مدینہ جائیں اور وہیں پیوند خاک ہو جائیں۔ ۱۹۳۸ء میں علامہ انتقال کر گئے اور ان کی سفرِ حجاز کی حسرت ادھوری رہ گئی۔ تاہم غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان کو عقیدت و محبتِ مصطفٰی ﷺ ہی زیارتِ حجاز کے لئے تڑپاتی رہی ـــــ اور علامہ اس حوالے سے ہمیں مولانا جامی سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔

❁ ❁ ❁